انتخاب: صبیح ہمدانی

عدنان رشید...... بنام ملالہ یوسف زئی

روشنی اور سیاہی کی ازلی آویزش ہمارے زمان و مکان میں بھی جاری ہے۔ بلکہ اس بار اس کے مناظر و مظاہر ایسے واضح اور ایسے صریح ہیں کہ خیر و شر کی کشمکش کی تاریخ میں ایسی روشن اور کھلی مثالیں چند ایک ہی ہیں۔ ایک طرف مصر میں فراعنہ کے وارث موسوی قیام و صبر کو پھر سے آزما رہے ہیں، دوسری طرف شام میں نمرود کے گدی نشینوں نے ابراہیمیت کے لیے ارض الانبیاء کو بارِ دگر ایک وسیع الاؤ میں تبدیل کر دیا ہے۔ عشق والوں کے محیر العقول ثبات نے ابالسۂ زمانہ کو اپنے بال نوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ الجزائر و مالی ہو یا افغانستان و عراق ہر دن اپنے دامن میں اچھی خبر لے کر آرہا ہے۔

یہ امت اس زمانے کے سیکولر انتہا پسندوں کی مہربانیوں کا کما حقہ شکریہ کبھی نہیں ادا کر سکتی جنھوں نے کفرِ خالص کے چہرے پر پڑے ہوئے پردوں اور نقابوں کو دور کیا اور امت پر جمہوریت کے مکروہ کردوھ کو، برداشت و رواداری کی حقیقت کو اور ملٹی کلچرل ازم اور پلورلیٹی جیسی ابلہ فریب اور سادہ شکار اصطلاحوں کے مطلب کو واضح کیا۔ ملت اسلامیہ خاص طور پر دو فوجی جرنیلوں، جنرل ریٹائرڈ قاتل پرویز اور جنرل حاضر سروس فرعون السیسی کے احسانات کو کبھی نہیں بھلا سکتی جنھوں نے جمہوریت، ریاست کی رٹ اور نیشنل سیکیورٹی کے مطالب کی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت فرمائی۔ ایسی بے غبار تشریح کہ سوائے فاسفورس بموں اور جلی ہوئی لاشوں کی راکھ کے، ابہام کی کوئی گرد باقی نہیں رہی۔

پاکستان جہاں کفر و نفاق اور شر اور تاریکی بھی دو نمبر اور ملاوٹ آلودہ ہے، یہاں کے دیسی لبرل فاشسٹ اور برگر دانشور انتہائی اندوہ کے ساتھ بساطِ زمانہ کو اُلٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ زمین ان کے پاؤں تلے سے سرکتی جا رہی ہے۔ بدحواسی سے ان کی باچھیں چِری جاتی ہیں، منہ سے کف اُگلتے ہیں اور شدّتِ جذبات سے آواز بھرا جاتی ہے۔ جب حالات کی کروٹیں دیکھ کر انھیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے استبداد اور طاغوتی تسلط کی شبِ سیاہ اب سحر سے ہم آغوش ہونے کو ہے، تو مارے دہشت کے ان کی آوازیں اُداس نسلوں کا المیہ ترانہ بن جاتی ہیں۔ بے کردار، بے بنیاد، بے اصل و اصول دُم کٹی لومڑیوں اور مسخ چہروں والے بوزنوں کے اِس لاؤ لشکر کا سب سے بڑا رونا یہ ہے کہ اِن کی صفوں میں کوئی قربانی دینے والا نہیں ہے۔ آج کل کی زبان میں بولیں تو انھیں شدت سے ایک ''ھیرو'' کی ضرورت ہے۔ جو ابلیس کے ان جنود کے ہارے ہوئے سپاہیوں کے ''مورال'' کو بلند کرے۔ چنانچہ ان کی لیٹسٹ ڈارلنگ، ان کے دلوں کا سہارا اور آنکھوں کا تارا مس ملالہ یوسف زئی ہیں۔ یو این او میں اُن کی سپیچ سے پہلے انتقالِ نسبت کے لیے اُنھیں بے نظیر بھٹو کا دوپٹہ (غالباً بطور خرقہ؟) اوڑھایا گیا۔ اور پھر پاکستان میں علم کے پیڑوں سے تہذیب کے وہ وہ بندر اُترے اور اُتارے گئے کہ ''ہنس بھی نہیں سکتا ہوں جو میں رو نہیں سکتا'' کا حال تھا۔

لوگ آئینوں میں تکنے لگے چہرے اپنے
علم کے پیڑ سے تہذیب کا بندر اترا

گذشتہ شمارے میں قارئین نے مشہور لبرل کالم نگار وسعت اللہ خان کا کالم پڑھا جس میں اُنھوں نے عوام الناس میں ''اصلی تے وڈّی'' ھیرو کی مبیّنہ عظمت پر ہونے والی چہ میگوئیوں کو یکجا کر کے اپنے تئیں اُن کا مداوا یہ کیا کہ اُن پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی یہ اعتراضات بحیثیت مجموعی ایسے کمزور ہیں کہ نا قابلِ تبصرہ ہیں۔ بعینہ یہی حرکت لبرلز آف پاکستان کے نفسِ ناطقہ موسیو نذیر ناجی نے کی جب اُنھوں نے ۱۹، ۲۰ جولائی ۲۰۱۳ء کے روزنامہ 'دنیا'' میں شائع ہونے والے اپنے کالموں میں طالبان مجاہد عدنان رشید کے مکتوب بنام ملالہ یوسف زئی کو بتمامہ نقل کر کے اس میں مذکور کسی سوال یا کسی نکتے کا جواب نہیں دیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ عقل و دانش کا کوئی معروضی تصوّر تو ہے نہیں کہ ''صاب'' بولیں اور سبھی مان لیں۔ اسی طرح عوام (پرولتاریہ) کو گھٹیا و ذلیل سمجھنے (بقولِ فیض ''گلیوں کے آوارہ بے کار کتے'') کے باوجود اب جو کچھ عالمِ واقعات میں ہو رہا ہے وہ کچھ ایسا ہے کہ یہ اٹھارہ کروڑ جہل کا نچوڑ استبدادی نظام کی گرفت کو دن بدن ڈھیلا کرنے میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ آہنی پنجے کھل رہے ہیں اور قومی آزادی کے اس لمحۂ قریب کا سبب کوئی اور نہیں اسلام ہے۔ ذیل میں یہ خط پیش کیا جا رہا ہے۔ مکمل متن کے لیے ہم جناب نذیر ناجی کے ہی شکرگزار ہیں۔ مکتوب نگار کے تعارف کے لیے ایک اور سیکولر ''خوش ذوق'' ایاز امیر کی گواہی ملاحظہ فرمایئے۔

> ''جی ایچ کیو پر حملہ کرنے والا عثمان، جو طبّی پیشے سے وابستہ تھا اور عدنان رشید، جو پی اے ایف کا ایک جونیئر ٹیکنیشن تھا، جس نے پرویز مشرف کی جان لینے کی کوشش کی اور جو اب ڈی آئی خان جیل توڑنے کا بھی ماسٹر مائنڈ ہے، پاکستانی طالبان کی اُس نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو موجودہ سیاسی نظام کا تختہ اُلٹنا چاہتے ہیں۔ عدنان رشید کے کچھ ویڈیو پیغامات انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ وہ ذہین دکھائی دیتا ہے اور اُس کی انگریزی بھی اچھی ہے اور وہ ملک کے ''بدعنوان سرمایہ دارانہ جمہوری نظام'' کے خلاف آواز اُٹھا رہا ہے۔ یہ بات خطرناک ہے کیونکہ طالبان کو سفاک اور جاہل، جو ایک چھوٹی لڑکی ملالہ کو نشانہ بناتے ہیں، دشمنوں کا گلا کاٹتے ہیں اور ایک خاص فرقے کے خلاف نفرت کو اُبھارتے ہیں، قرار دے کر ان کے پیغام کو رد کیا جا سکتا ہے لیکن مجھے ملا عمر کی طرف سے عید پر دیے جانے والے معتدل مزاجی کے پیغام سے خطرہ ہے'' (روزنامہ ''جنگ'' ۱۲، اگست ۲۰۱۳ء)

گواہیاں تو اور بھی بہت سی ہیں، کچھ پوری اور کچھ آدھی۔ لیکن گواہیوں کے ہی مطالعے میں آپ کے منہ کا ذائقہ کیوں برباد کیا جائے۔ براہِ راست مدّعا علیہ کا بیان ہی سُن لیجیے۔ (صبیح)

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

عدنان رشید کی جانب سے ملالہ یوسف زئی کے نام

ان کے لیے امن اور سلامتی کا پیغام جنھوں نے راہِ ہدایت اختیار کی۔ مس ملالہ یوسف زئی! میں یہ خط آپ کو بالکل ذاتی حیثیت میں لکھ رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ یہ تحریک طالبان پاکستان یا کسی دوسرے جہادی گروہ کا بھی مؤقف ہو۔ میں نے آپ کے بارے میں سب سے پہلے بی بی سی اردو سروس کے ذریعے اس وقت سنا جب میں بنوں جیل میں تھا۔ اس وقت بھی میں آپ کو خط لکھنا چاہتا تھا۔ یہ نصیحت کرنا چاہتا تھا کہ طالبان مخالف سرگرمیوں سے باز رہیں لیکن مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔ میں سوچتا رہا کہ آپ کے ساتھ کیسے رابطہ قائم کروں جبکہ آپ اپنی تحریروں میں اپنا فرضی نام استعمال کرتی

تھیں۔ آپ کے لیے میرے تمام تر جذبات برادرانہ ہیں کیونکہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے یوسف زئی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسی دوران جیل توڑے جانے کا واقعہ پیش آیا اور مجھے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ جب آپ پر حملہ کیا گیا تو یہ میرے لیے بھی صدمے سے کم نہ تھا۔ میں نے سوچا کہ کاش ایسا نہ ہوتا اور میں نے بروقت آپ سے رابطہ کر کے آپ کو سمجھا دیا ہوتا۔ طالبان نے آپ پر حملہ کیا، اسلام کے لحاظ سے یہ ٹھیک تھا یا غلط یا آپ قتل کر دیے جانے کے قابل تھیں یا نہیں، میں اس بحث میں نہیں الجھوں گا، اس معاملے کو پروردگارِ عالم پر چھوڑ دیتے ہیں، وہی بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔ سب سے پہلے تو آپ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ طالبان نے آپ پر حملہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ آپ سکول جاتی تھیں۔ یہ حقیقت بھی جان لیں کہ طالبان یا مجاہدین کسی مرد، عورت یا لڑکی کے تعلیم حاصل کرنے کے خلاف نہیں۔ طالبان سمجھتے ہیں کہ آپ بالقصد ان کے خلاف لکھ رہی تھیں اور سوات میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی ان کوششوں کو سبوتاژ کرنے کی مہم چلا رہی تھیں۔ آپ کی تحریریں اشتعال انگیز تھیں۔ آپ نے کل اپنی تقریر میں کہا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اور یہ کہ طالبان نے آپ پر آپ کی اس تلوار کی وجہ سے حملہ کیا، آپ کی کتابوں اور سکول کی وجہ سے نہیں۔ طالبان کی بغاوت سے پہلے سوات میں ہزاروں لڑکیاں سکول جاتی تھیں۔ طالبان کے زور پکڑنے کے بعد بھی وہ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کیا آپ وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے کہ صرف آپ ہی طالبان کی ہٹ لسٹ پر کیوں تھیں؟

یہاں میں ایک اور نکتے کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں کہ طالبان سکولوں کو کیوں بموں سے اڑا دیتے ہیں؟ خیبر پختونخوا اور فاٹا میں صرف طالبان ہی نہیں جو سکولوں کو بارود سے اڑا رہے ہیں بلکہ پاکستانی فوج اور فرنٹیئر کانسٹیبلری بھی اس معاملے میں برابر کی شریک ہے۔ دونوں کی جانب سے اس اقدام کی مشترکہ وجہ یہ ہے کہ یہ سکول طالبان یا پاک فوج میں سے کسی بھی پارٹی کے کنٹرول میں آ جائیں تو ان پناہ گاہوں اور عبوری کیمپوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ 2004ء میں، میں سوات میں تھا اور صوفی محمد کی جانب سے انقلاب لانے کی پہلی کوشش کی ناکامی کی وجوہ تلاش کر رہا تھا۔ میں نے جانا کہ سوات کی تحصیل مٹہ کے کچھ سکولوں میں ایف سی موجود ہے اور ان کو پناہ گاہوں اور عبوری کیمپوں کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ کس کو الزام دیا جائے؟ فاٹا میں درجنوں سکولوں کو پاک فوج اور ایف سی بیرکوں کے طور پر استعمال کر رہی ہیں۔ آپ چاہیں تو اس کی تحقیق کر سکتی ہیں۔ جب کوئی مقدس چیز مہلک بن جائے تو اس کا خاتمہ ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی طالبان کی پالیسی ہے۔ تزویراتی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے سکولوں کو بارود سے اڑانا طالبان کا کام نہیں۔

اب میں سب سے اہم معاملے یعنی تعلیم کی طرف آتا ہوں۔ یہ بات حیرت کا باعث ہے کہ آپ تعلیم کے لیے آواز بلند کر رہی ہیں۔ آپ اور یو این او، دونوں یہ دکھاوا کر رہے ہیں کہ آپ پر حملہ تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے کیا گیا۔

حقیقت یہ نہیں۔ ایمانداری کا مظاہرہ کریں۔ تعلیم نہیں بلکہ آپ کی جانب سے کیا گیا پروپیگنڈا اصل مسئلہ تھا۔ اور ایک سوال یہ ہے آپ اب کیا کر رہی ہیں؟ آپ اپنی زبان سے دوسروں کا مؤقف بیان کر رہی ہیں۔ اگر آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے تو یہ بھی جانتی ہوں گی کہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ تلوار کا زخم تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن زبان سے لگنے والا زخم سدا ہرا رہتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ یہ معلومات شیئر کرنا چاہتا ہوں کہ برصغیر پر برطانیہ کے قبضے سے پہلے یہاں کا ہر باشندہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ مقامی افراد نے برطانوی افسروں کو عربی، ہندی، اردو اور فارسی سکھائی۔ اس وقت ہر مسجد میں ایک مدرسہ بھی قائم تھا اور مسلمان حکمران ان مدارس پر بھاری رقوم خرچ کیا کرتے تھے۔ جس زمانے میں ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی یہ علاقہ کاشت کاری، ریشم اور پٹ سن کی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ یہاں پر ٹیکسٹائل انڈسٹری تھی اور جہاز سازی کی صنعت پنپ رہی تھی۔ غربت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کسی قسم کا کوئی بحران نہ تھا۔ تہذیبوں یا مذاہب کے کوئی اختلافات نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں یہاں کا نظامِ تعلیم اعلیٰ نظریات پر قائم تھا۔ میں آپ کی توجہ ایک تحریر کی جانب دلانا چاہتا ہوں جو سر ٹی بی میکالے نے برطانوی پارلیمنٹ کو برصغیر میں تعلیمی اصلاحات کے حوالے سے ارسال کی۔ 2/فروری 1835ء کو لکھے گئے اس مراسلے میں میکالے نے واضح کیا کہ برصغیر میں مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی جگہ وہ کس طرح کا تعلیمی نظام چاہتا ہے۔ اس نے لکھا:

> ''ہمیں فوری طور پر ایک ایسا طبقہ تشکیل دینے کی کوشش کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان لاکھوں افراد کے درمیان ترجمان کا کردار ادا کر سکے جن پر ہم حکومت کرتے ہیں۔ ایک ایسی کلاس جو اپنے خون اور رنگ کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو لیکن نقطۂ نظر، مورال اور علم وحکمت کے لحاظ سے انگریز ہو۔''

یہ تھا اُس نام نہاد تعلیمی نظام کا منصوبہ اور مشن جس کے لیے آپ مرنے کے لیے تیار ہیں اور جس کے لیے اقوامِ متحدہ کے کرتا دھرتا آپ کو اپنے دفاتر میں لے گئے تا کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ایسے ایشیائی افراد تیار کیے جا سکیں جو خون کے لحاظ سے تو ایشیائی ہوں لیکن نقطۂ نظر کے لحاظ سے انگریز محسوس ہوں۔ یہ ہے وہ نظام جو آپ کا آئیڈیل ہے۔ وہ سارے انسانوں کو انگریز کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ انگریز یہودیوں کے حمایتی بلکہ غلام ہیں۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے بانی اور علامت سمجھے جانے والے سر سید احمد خان ایک فری میسن تھے۔ آپ نے کہا کہ ایک استاد، ایک قلم اور کتاب دنیا تبدیل کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی اس بات سے پوری طرح متفق ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ کون سا استاد، کون سا قلم اور کون سی کتاب؟ اس کی تخصیص ہونی چاہیے۔ پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا:

> ''میں آپ کے درمیان ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اپنے ساتھ ایک کتاب لایا ہوں۔''

انہیں قرآن کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ایسا پاکیزہ اور معزز معلم ہی دنیا تبدیل کر سکتا ہے۔

آپ نے ایک مثال دی کہ ایک بار ایک صحافی نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ ایک طالب تعلیم سے اتنا خوفزدہ کیوں رہتا تو اس نے جواب دیا کہ طالب یہ نہیں جانتا کہ اس کتاب میں کیا ہے۔ یہی سوال میں آپ سے اور آپ کی وساطت سے پوری دنیا سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ اللہ کی اس کتاب سے اتنے خوفزدہ کیوں ہیں؟ اس لیے کہ وہ نہیں جانتے اس میں کیا ہے۔ طالبان چاہتے ہیں کہ ان باتوں کا نفاذ ہو جن کا حکم اللہ کی کتاب میں ہے جبکہ اقوامِ متحدہ ان باتوں کا نفاذ چاہتی ہے جو انسان کی تصنیف کردہ کتابوں میں لکھی ہیں۔ آپ نے بے انصافی کے مرتکب ادارے کے سٹیج پر کھڑے ہو کر انصاف اور برابری کی بات کی ہے حالانکہ وہاں سب قومیں برابر نہیں ہیں۔ چند ریاستوں کو ویٹو کا حق حاصل ہے جبکہ باقی ممالک بے بس ہیں۔ درجنوں بار ایسا ہو چکا ہے کہ پوری دنیا نے اسرائیل کے خلاف مشترکہ آواز بلند کی لیکن صرف ایک ویٹو انصاف کا گلا گھونٹنے کے لیے کافی ٹھہرا۔ وہ پلیٹ فارم جس پر کھڑے ہو کر آپ پوری دنیا سے مخاطب ہو رہی ہیں، نیو ورلڈ آرڈ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ پرانے ورلڈ آرڈر میں کیا خرابی ہے؟ نیو ورلڈ آرڈر کا پرچار کرنے والے گلوبل ایجوکیشن، گلوبل معیشت، گلوبل آرمی، گلوبل تجارت، گلوبل حکومت اور آخر میں گلوبل مذہب چاہتے ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان سارے عالمی منصوبوں میں کہیں پیغمبرانہ رہنمائی کے لیے بھی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

کیا ان (عالمی منصوبوں) میں اسلامی شریعت یا اسلامی قانون کے لیے کوئی جگہ ہے جنہیں اقوامِ متحدہ بے رحمانہ اور نامہربان قرار دیتی ہے؟ آپ نے پولیو ٹیم پر حملوں کے بارے میں بات کی ہے۔ کیا آپ اس سوال کا جواب دیں گی کہ 1973ء میں اس وقت کے امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ہنری کسنجر، جو کہ ایک یہودی ہیں، نے یہ کیوں کہا تھا کہ تیسری دنیا کی آبادی 80 فیصد کم کر دی جانی چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کی چھتری تلے مختلف ناموں سے اصلاحِ نسل کے اور نسل کشی کے قابل نہ رہنے دینے کے پروگرام کیوں چلائے جا رہے ہیں۔ صرف ازبکستان میں دس لاکھ سے زیادہ مسلم خواتین کو ان کی مرضی کے خلاف بالجبر بانجھ کر دیا گیا۔ برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب ''دی امپیکٹ آف سائنس آن سوسائٹی'' میں لکھا تھا:

> ''خوراک، انجیکشن اور حکومتی احکامات سے ہر فرد کو اپنی زندگی کی ابتدا ہی سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ سارے عوامل مل کر افراد کے ایسے کردار اور ان میں ایسے اعتقادات پیدا کرنے کا باعث بنیں گے جو حکمران اپنے لیے موافق خیال کریں گے۔ اس طرح برسرِ اقتدار آنے والی طاقت پر سنجیدہ نوعیت کی تنقید نفسیاتی لحاظ سے ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔''

یہی وجہ ہے کہ پولیو ویکسی نیشن کے پروگرام کے بارے اتنے زیادہ تحفظات ہیں۔ آپ نے کہا کہ ملالہ ڈے آپ کا دن نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس فرد کا دن ہے جس نے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کی۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح کا دن آپ کے نام پر منایا گیا ویسا ''راکیل کوری'' کے نام پر کیوں نہیں منایا جاتا۔ صرف اس لیے کہ اس کو ہلاک کرنے کے لیے استعمال ہونے والا بلڈوزر اسرائیلی تھا؟ (یاد رہے کہ راکیل کوری بین الاقوامی یک جہتی تحریک کی رکن اور امن

کی علم بردار خاتون تھیں، جسے 2003ء میں اسرائیلی بلڈروں نے کچل کر ہلاک کر دیا تھا) ایسا دن عافیہ صدیقی کے نام پر کیوں نہیں منایا جاتا، کیا اس لیے کہ اس ساری خرابی کے ذمہ دار امریکی ہیں؟ ایسے دن فیضان اور فہیم کے نام پر کیوں نہیں منائے جاتے، اس لیے کہ ان کا قاتل ریمنڈ ڈیوس تھا؟ میں آپ سے ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور برائے مہربانی اس کا جواب پوری ایمان داری سے دیجیے گا۔ اگر آپ کسی امریکی ڈرون حملے میں زخمی ہو جاتیں تو کیا اس صورت میں بھی دنیا کو آپ کی طبی صورتِ حال پر اتنی ہی تشویش لاحق ہوتی اور کیا تب بھی آپ کو دُخترِ ملّت کا نام ملتا تھا؟ کیا تب بھی میڈیا آپ کو اتنی ہی کوریج دیتا؟ کیا عالمی میڈیا آپ کی طرف اسی گرم جوشی سے متوجہ ہوتا؟ کیا اس صورت میں بھی جنرل کیانی آپ کی عیادت کے لیے تشریف لاتے؟ کیا تب بھی آپ کو اقوامِ متحدہ بلا کر اتنی پذیرائی دی جاتی؟ کیا تب بھی ملالہ ڈے منایا جاتا؟ اب تک تین سو سے زائد معصوم، بے گناہ خواتین اور بچے ڈرون حملوں میں ہلاک ہو چکے ہیں لیکن ان ہلاکتوں پر کس نے توجہ دی؟ اس لیے کہ حملہ کرنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ”پُر امن“ امریکی ہیں؟ ایسا کوئی دن ان سولہ معصوم افغان خواتین اور بچوں کے نام سے کیوں نہیں منایا جاتا جن کو امریکی رابرٹ بیلاس نے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس لیے کہ بیلاس ایک طالب نہ تھا؟

جو دردمندی آپ نے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی کاش پاک فوج بھی اس سے آگاہ ہوتی تاکہ وہ فاٹا اور بلوچستان میں لوگوں کا خون بہانا بند کر دیتی۔ میری خواہش ہے کہ جو ترحّم آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سیکھا امریکہ اور نیٹو بھی اس کا علم رکھتے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کا خون بہانے سے باز آجاتے۔ میں یہی خواہش برما اور سری لنکا میں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کرنے والے بدھ کے پیروکاروں سے بھی رکھتا ہوں اور بھارتی فوج سے بھی امید کرتا ہوں کہ وہ گاندھی جی کی سوچ اپنائے اور کشمیری مسلمانوں کی نسل کشی ترک کر دے اور پھر باچا خان کی پیروکار اے این پی، جس نے خیبر پختونخوا میں اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں عدم تشدد کی مثال قائم کی۔ اس سلسلے میں سوات کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جہاں باچا خان کے پیروکاروں نے ایک گولی بھی نہ چلنے دی اور جیٹ طیاروں، ٹینکوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے عدمِ تشدد کے فلسفے پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا۔

آخر میں، میں آپ سے کہوں گا کہ گھر واپس آجائیں، اسلامی اور پشتون ثقافت اپنائیں، اپنے گھر کے نزدیک خواتین کے لیے بنے کسی بھی اسلامی مدرسے میں داخل ہو جائیں، قرآن پاک کا مطالعہ کریں اور اس سے سیکھیں، اپنا قلم اسلام اور مسلم اُمّہ کی ترقی اور فروغ کے لیے استعمال کریں اور اس محدود دالیٹ کی سازش کو بے نقاب کر دیں جو پوری نسلِ انسانی کو اپنے مذموم ایجنڈے کی خاطر غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے اور اس سارے عمل کو نیو ورلڈ آرڈر کا نام دیتی ہے۔ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ (مطبوعہ روزنامہ ”دنیا“ ۱۹، ۲۰ جولائی ۲۰۱۳ء)